جناب ڈاکٹر عبدالغنی صاحب
تحقیقات اسلامی۔ علی گڑھ

قرآن کا نظریۂ کائنات

- صدیوں سے جاری ایک تصادم کا بیان
- اصل کشمکش صاحب ایمان سائنس داں اور لادین سائنس داں کے درمیان ہے۔
- بات نظریے کی ہے لیکن اس کا تعلق عمل سے ہے۔

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ہ (الملک ۳)

تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟

فطرت و قدرت

فطرت و قدرت کے الفاظ عام طور پر ایک ہی معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے درمیان لغت کے اعتبار سے ایک فرق ہے۔ فطرت دنیا میں پیدا ہونے والی چیزوں کی اصلیت ہے اور اس لحاظ سے ہستی کے جتنے مظاہر ہیں سب کا تعلق فطرت سے ہے۔ آدمی کے نقطۂ نظر سے ایک فطرت اس کے وجود کے اندر ہے، دوسری فطرت اس کی نگاہوں کے سامنے زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی پوری کائنات ہے۔ قدرت درحقیقت خدا کی اس قوت و طاقت اور اس کے بنائے ہوئے اس منصوبہ و نظام کا نام ہے جو زندگی کے تمام جلووں اور پہلوؤں پر حاوی ہے۔ چنانچہ اگر محاورے میں فطرت کو بھی قدرت کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں وجود کے تمام مظاہر کو ایک خدا کی مخلوقات سمجھا جاتا ہے۔

فطرت و قدرت کی یہ ہم آہنگی بلا وجہ نہیں۔ یہ انسان کے ضمیر کی آواز بھی ہے اور زندگی کا قانون بھی۔ ہزاروں لاکھوں سال سے جو کارخانہ ہستی چل رہا ہے وہ بے بنیاد اور بے معنی نہیں۔ اس کا ایک مقصد ہے۔ آدمی کی عقل نے جس حد تک بھی اس مقصد کو سمجھا ہے اسے محسوس ہوا ہے کہ کائنات کی تخلیق کسی بالاتر ہستی کے ارادے سے، اس کے منصوبے کے مطابق ہوتی ہے اور حیات ایک نعمت ہے جو اس لیے دی گئی ہے کہ اس کے تقاضے پورے کیے اور اس کی ذمہ داریاں ادا کی جائیں۔ یہ احساس خدا کی مشیت اور اس کی بنائی ہوئی تقدیر کی طرف بہت واضح اشارہ کرتا ہے، جس سے زندگی کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔

یہ اہمیت انسان سے زندگی کے متعلق ایک سنجیدہ رویے کا مطالبہ کرتی ہے۔ دنیا کھیل تماشے کی

جگہ نہیں ہے۔یہاں زندگی کی جو نوعیت ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کچھ کر دکھانے کی جگہ ہے اور جو کچھ کیا جائے گا اس کا حساب ہوگا، جس کے مطابق کرنے والے کی حیثیت کا تعین ہوگا۔ایسی حالت میں آدمی کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ فطرت وقدرت کی حقیقتوں، اصولوں اور مطالبوں کو سمجھ کر ان کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرے تاکہ اس کی ہستی نہ صرف باقی رہے بلکہ اسے صحیح طور پہ ترقی کا موقع ملے۔

حیات وکائنات

فطرت وقدرت کی طرح حیات وکائنات کے الفاظ بھی بکثرت ساتھ ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں، اگرچہ ان کے معنوں میں جو فرق ہے وہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔اس کے باوجود یہ بات اپنی جگہ ہے کہ حیات وکائنات کے درمیان ایک اندرونی ربط ہے۔ حیات بغیر کائنات کے نہیں ہوسکتی۔اسی طرح کائنات کا کوئی تصور حیات کے بغیر معمول کے مطابق نہیں کیا جا سکتا، کائنات جب ہے تو اس میں حیات بھی ہے۔

اب کائنات اور اس میں حیات کی جو شکل ہمارے سامنے ہے اور ہم نے دونوں کی حقیقت کا سراغ لگانے کے لیے جو کچھ کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہم اس کے سوا کوئی اور بات نہیں کہہ سکتے بلکہ اس اقرار پہ مجبور ہیں کہ حیات وکائنات ایک واقعہ ہے، ایک ہستی ہے، کوئی فریب نہیں، کوئی خواب نہیں۔لہذا حیات وکائنات کے متعلق ہمیں پوری سنجیدگی سے ایک رائے قائم اور ایک رویہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ ہم سایوں اور سرابوں کے پیچھے نہ دوڑتے رہیں اور دھوکا نہ کھائیں۔نہ زندگی کو برباد نہیں کریں، بلکہ حقیقتوں کو سمجھ کر، شعور کی روشنی میں اپنی قوت اور وقت کا استعمال زندگی کو نکھارنے اور سنوارنے کے لیے کریں۔

بنیادی رویہ

فطرت وقدرت اور حیات وکائنات کے متعلق بنیادی طور پہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ ایک واضح رویہ اختیار کرے، ورنہ دنیا میں اس کی زندگی بالکل غیر فطری اور بےکار ہوگی۔اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ جو حیات اسے ملی ہے وہ کیا ہے، جس کائنات میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے اس کی کوئی حقیقت ہے اور جس فطرت پر اسے پیدا کیا گیا ہے یا وہ پیدا ہوا ہے اور جو فطرت اس کی نگاہوں کے سامنے پھیلی ہوئی ہے اس کے پیچھے کون سی قدرت کام کر رہی ہے، تو ظاہر ہے کہ آنکھوں کے باوجود اس شخص کی زندگی ایک اندھے کی ہوگی، ایک ایسے اندھے کی جس کے سر اور دل دونوں کی آنکھیں بند ہوں گی، جس کا نہ کوئی ذہن ودماغ ہوگا نہ شعور وکردار۔

یہ بنیادی رویہ دو قسم کا ہوسکتا ہے، ایک یقینی، ایک غیر یقینی۔تمام مشاہدات وتجربات کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ فطرت وقدرت اور حیات وکائنات کی اصلیت وحقیقت کا معاملہ غیب کا ہے اور صورت یہ ہے کہ اس سے متعلق یا تو کسی یقینی ذریعے سے کوئی واضح علم حاصل ہوجائے یا بالکل غیر یقینی طور

پر صرف قیاس و تخمین سے کام لیا جائے۔ دونوں صورتوں میں کچھ دلیلیں ہوں گی، لیکن جو دلیل شک اور گمان کی بنا پر دی جائے گی ظاہر ہے کہ اس سے زندگی کا کوئی ٹھوس عمل پیدا نہیں ہوگا جب کہ یقین و اعتماد پر مبنی دلیل لازماً ایک ٹھوس عمل کی تحریک کرے گی۔ اس طرح زندگی کے متعلق دو مختلف، بلکہ متضاد رویے رونما ہوں گے اور ان کے مخصوص نتائج بھی برآمد ہوں گے۔

اس سلسلے میں رویوں کی سب سے واضح تقسیم یہ ہے کہ ایک رویہ مذہب کا ہے جس کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے اور دوسرا رویہ لامذہبیت کا ہے جو آدمی کے عقلی قیاسات پر مبنی ہے۔ وحی کا صاف اقرار ایمان کی شان ہے اور وحی سے انکار یا اس کے متعلق تذبذب بے دینی کی کیفیت ہے۔ فطرت وقدرت اور حیات وکائنات کی معروف عالمانہ وحکیمانہ تحقیق دونوں حالتوں میں ممکن ہے، مگر ان کے نتائج اور اثرات ایک دوسرے سے بالکل الگ ہوں گے۔ وحی پر ایمان کے ساتھ انفس وآفاق کا جو مشاہدہ ومطالعہ ہوگا وہ ایک مثبت ضابطۂ عمل مرتب کرے گا، جب کہ اس ایمان کے بغیر زندگی کے مظاہر کا جو تجسس کیا جائے گا اس میں منفی قسم کی فکری تکنیک پائی جائے گی۔

پرانے زمانے میں ان رویوں کی باہمی آویزش کو مذہب اور سائنس کی کش مکش سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن یہ تعبیر صحیح نہیں تھی۔ سائنس کے لیے لامذہب ہونا ضروری نہیں اور مذہب کے لیے لازمی نہیں کہ وہ سائنس کی مخالفت کرے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ایک سائنس مذہب پسند ہو اور دوسری مذہب بیزار۔ یہ فرق بھی دراصل سائنس دان کے ذاتی رویے پر منحصر ہے، ورنہ سائنس بجائے خود ایک غیر جانب دار شے ہے، جس کا استعمال کسی بھی مقصد کے لیے ہو سکتا ہے۔

سائنس کا نظریۂ کائنات

کائنات سے عالموں اور فلسفیوں کی دلچسپی بہت پرانی ہے۔ بعض اہل علم کے درمیان ستارہ شناسی ایک دلچسپ مشغلہ ہے۔ ASTROLOGY ایک پرانا فن ہے، جس میں دنیا اور آدمی کے حالات وواقعات پر ستاروں کی چال کا اثر دکھایا جاتا ہے۔ اس جنتر منتر نے بڑھ کر باضابطہ علم نجوم ASTRONOMY کی شکل اختیار کرلی اور اس کی مزید ترقی طبیعاتِ نجوم ASTROPHYSICS کی تشکیل کا باعث ہوئی، یہاں تک کہ کائنات، اس کے سیاروں اور ستاروں کے مطالعہ کے لیے سائنس کے ایک تازہ ترین شعبے، علم کائنات COSMOLOGY کا وجود عمل میں آیا۔ لیکن کائنات کے سارے حکیمانہ مشاہدات کی حد اس موضوع پر پیرس سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہونے والی ایک کتاب کے اس ذیلی عنوان سے معلوم ہو جاتی ہے۔

CONVERSATION ABOUT THE INVISIBLE

یعنی "غیب کے متعلق گفتگو"۔

ظاہر ہے کہ غیب کے متعلق، جس کی کھلی اور قطعی شہادت کسی ٹھوس شکل میں نہیں مل سکتی، انسان کی ہر گفت و گو ظن و تخمین اور قیاس و گمان پر مبنی ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کے حقائق کی مادی تعبیر کے متعلق سائنس کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکتی اور اس سلسلے میں اس کا کوئی دعویٰ کسی واضح دلیل پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مدت تک سائنسدانوں کے درمیان یہ مباحثہ ہوتا رہا کہ کائنات ایک بار بن کر ساکن ہوگی ہے یا مسلسل حرکت و ترقی کر رہی ہے ایک روسی سائنسدان فریڈمین کائنات کے متحرک ہونے کا خیال پیش کرتا رہا۔ مگر ۱۹۵۰ء کی دہائی تک کائنات کی عمر کبھی دس بلین اور کبھی بیس بلین بتانے والے سائنس دان کائنات کی حرکت یا سکون کے متعلق اپنے اختلافات کا اظہار کرتے رہے۔ متحرک یا ساکن ہونے کے ساتھ ساتھ کائنات کے محدود یا لامحدود ہونے کی منطقی بحث بھی چلتی رہی ——

H. BOND - T. GOLD - FRED HOYLE - WILLIAM FOWLER

مختلف اہلِ علم و حکمت کائنات کی تعبیر و تشکیل پر مباحثے کرتے رہے، مگر وہ کسی فیصلہ کن نتیجے تک نہیں پہنچ سکے۔ ان کی ایک بڑی الجھن اس سلسلے میں خدا کے اقرار و انکار کا مسئلہ تھا۔ سائنس دانوں نے "علم کی غیر جانبداری" میں اتنی انتہا پسندی دکھائی کہ انہوں نے سائنس کو بے خدا ATHIEST تسلیم کرنا ضروری سمجھا اور اسی مفروضے پر جس کا حکیمانہ معروضیت SCIENTIFIC OBJECTIVITY سے کوئی اصولی تعلق نہیں تھا، کائنات کے یک بارگی وجود کے بعد اس کو جامد قرار دے دیا، اس لیے کہ کائنات کی مسلسل حرکت کسی محرک کی ہستی کا تصور کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ ایک عجیب و غریب صورتِ حال ہے اور بالکل محال و متضاد قسم کی ہے۔ ایک طرف ارتقاء EVOLUTION کا خیال ہے جو حرکت پر مبنی ہے اور دوسری طرف اس جمود کی وکالت ہے جو تخلیق CREATION کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس الجھن سے محسوس ہوتا ہے کہ لادین سائنس دان نہ تو ارتقا کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھتے ہیں نہ تخلیق کا۔ اور ان کی جانب سے معروضیت کے سارے دعوے دراصل ایک موضوعی SUBJECTIVE مفروضے پر قائم ہیں۔ یہ طرزِ فکر کوئی فلسفہ ہو تو ہو، سائنس نہیں ہے، حکمت کے لیے انکارِ خدا کیوں ضروری ہے سب سے بڑا حکیم اور حکمت بخش تو خدا ہی ہے۔

۱۹۶۵ء میں ضربِ عظیم یا بڑی چوٹ BIG BANG کا وہ نظریہ سامنے آیا جس کا غلغلہ آج تک بلند ہے۔ اس کے علم بردار لیماٹیر اور گامو ہیں۔ اس نظریے کے مطابق کائنات کا وجود ایک بیضۂ اصلی ORIGINAL EGG سے ہوا، جس میں جوہرِ قدیم PRIMORDIAL ATOM بہت ہی بڑی مقدار میں بھرا ہوا تھا۔ اس پہلے انڈے کے اندر انتہائی کثافت DENSITY کے ساتھ ساتھ حدت HEAT بھی تھی۔ یہ بنیادی مادہ ابتداءً اپنے زبردست حجم میں تابانی و تابکاری سے معمور تھا —— اس پر دو اہم ترین سوالات اٹھتے ہیں!

۱۔ بیضۂ اصلی کے عناصر کی ترکیب کیسے عمل میں آئی؟

۲۔ اس ترکیب کو وجود کے اگلے مرحلے پر کون حرکت میں لایا؟ اب سائنس کے تمام مکاتبِ فکر انہی سوالوں کے

جواب کی جستجو میں سرگرداں ہیں۔ اور دیکھا جائے تو کائنات کی ہستی اور ترقی دونوں کا راز اس جواب میں پوشیدہ ہے۔ حیات کے اسرار و رموز بھی اس میں مضمر ہیں۔ یہ جواب وہ شاہ کلید MASTER KEY ہے جس سے زندگی کے بنیادی حقائق پر لگے ہوئے سب تالے کھل جاتے ہیں اور آفاق کی صداقتوں پر پڑے ہوئے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ لیکن سائنس والوں کی مشکل یہ ہے کہ سوالات کا تعلق درحقیقت غیب INVISIBLE سے ہے اور جواب ایمان FAITH کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتا۔ غیب اور ایمان دونوں طبعی PHYSICAL امور نہیں، مابعد طبعی METAPHYSICAL امور ہیں اور علم کائنات کا آغاز بھی مابعد طبعی ہے، انجام بھی مابعد طبعی۔ لہٰذا ان سوالوں کے جواب سائنس سے نہیں، مذہب سے میسر آسکتے ہیں۔

قرآن کا نظریہ کائنات

قرآن نے پہلے پارے کی پہلی ہی سورۃ کی بالکل ابتدائی آیتوں میں واضح کر دیا ہے کہ اللہ کی کتاب، جو ختم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل کی گئی، ان لوگوں کو روشنی دکھاتی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسی طرح کائنات و حیات، کے آغاز کے متعلق، جو سراسر غیب کا معاملہ ہے، قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت واضح اعلان کرتی ہے:

"کیا وہ لوگ جنھوں نے نبیؐ کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی کیا وہ ہماری اس خلاقی کو نہیں مانتے؟ (الانبیاء ۳۰)

اس کے فوراً بعد کی آیتوں میں تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ خدا نے۔

"۱۔ زمین میں پہاڑ جما دیئے، تاکہ وہ ڈھلک نہ جائے، اور اس میں کشادہ راہیں بنا دیں، شاید کہ لوگ اپنا راستہ معلوم کر لیں۔

۲۔ آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا۔

۳۔ رات اور دن بنائے۔

۴۔ سورج اور چاند کو پیدا کیا۔

۵۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔" (الانبیاء: ۳۳/۳۱)

آخری نکتے پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کا تفسیری نوٹ یہ ہے:

"فلک، جو فارسی کے چرخ اور گردوں کا ٹھیک ہم معنی ہے، عربی زبان میں آسمان کے معروف ناموں میں سے ہے۔ "سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں" سے دو باتیں صاف سمجھ آتی ہیں۔ ایک یہ کہ سب تارے ایک ہی "فلک" میں نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کا فلک الگ ہے۔ دوسرا یہ کہ فلک کوئی ایسی چیز نہیں جس میں یہ تارے کھونٹیوں کی طرح جڑے ہوئے ہوں اور وہ خود انہیں لیے ہوئے گھوم رہا ہو، بلکہ وہ کوئی سیال شے ہے یا فضا اور خلا کی سی نوعیت کی چیز ہے

جس میں ان تاروں کی حرکت تیرنے کے فعل سے مشابہت رکھتی ہے۔"

(ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی از سید ابوالاعلیٰ مودودی —— ۱۹۷۸ء اشاعت اسلام ٹرسٹ، دہلی)

مذکورہ بالا سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۳۰ کیا کائنات کی تخلیق کے متعلق سائنس کے جدید ترین نظریے BANG کی طرف کھلا اشارہ نہیں کرتی؟ قرآن مجید کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ "آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا"۔ اس بیضۂ اصلی پر ایک ضرب عظیم کا بیان ہے جس کی بات سائنس کرتی ہے۔ قرآن کے الفاظ صریحاً زمین و آسمان کی مرکب شکل کے ٹوٹنے کا تذکرہ کرتے ہیں، یعنی ابتدائے کائنات میں جب وجود کے عناصر ترکیبی ایک دوسرے میں خلط ملط تھے ایک زوردار دھماکہ BIG BANG خدا کے حکم سے اس کی مشیت کے مطابق ہوا، جس کے بعد ہستی کا ارتقاء اگلے مراحل میں داخل ہوا۔ دھماکے سے پہلے بھی جو عناصر پیدا ہو کر ایک مرکب شکل میں یک جا ہوئے وہ خدا کی قدرت ہی کا کرشمہ تھا۔ وہی تمام چیزوں کا خالق ہے۔ عناصر وجود کی تخلیق، تحلیل اور ترکیب سب کچھ اس کی قدرت و مشیت کے تحت ہی ہوا ہے، ہو رہا ہے اور ہوگا۔

اس سلسلے میں زیر بحث آیت کا یہ جملہ کہ "پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی" کائنات اور اس میں حیات کی تخلیق و ترقی کے متعلق سائنس کے ایک اہم تصور پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنس نے جو نظریہ مشاہدے اور تجربے کے بعد قائم کیا، اس کی طرف اللہ کی کتاب وحی کے ذریعے واضح اشارہ کرتی ہے۔ قرآن مجید کا فکر انگیز جملہ بالکل عام اور جامع ہے تمام زندہ چیزوں کے لیے —— جب کہ زندگی کا اطلاق انسان اور حیوان کے علاوہ نباتات اور جمادات پر بھی ہو سکتا ہے۔ پودے جس طرح اگتے بڑھتے اور بنتے پھیلتے ہیں وہ زندگی کی ایک علامت ہے۔ اس لیے ہر مخلوق زندگی کے کسی بھی دائرے میں، پانی کے مادۂ حیات ہونے کی شہادت دیتی ہے۔ پھر پانی کو بنیادی مادہ مان کر مختلف سطحوں پر مختلف قسم کی مخلوقات کے ارتقاء کا امکان بھی ہے۔ بہر حال، جو چیز بھی پیدا ہوتی ہے اس کا خالق خدا ہے اور پانی کو بھی اسی نے پیدا کر کے دیگر انواع موجودات کی تخلیق کے لیے مادے کے طور پر استعمال کیا۔

زیر بحث آیت سے متصل آیات میں زمین، آسمان، رات دن، سورج اور چاند کی تخلیق کا تذکرہ کر کے قرآن نے کائنات کے متعدد اہم ترین مظاہر کا احاطہ کر لیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بعد وجود کی توسیع و ترقی اور ان میں اضافہ و ارتقاء خدا کی قدرت و مشیت کے تحت، اس کی بنائی ہوئی تقدیر کے مطابق ہوا اور یہ جملہ کہ "سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں" یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے ایک خدائی منصوبے کے تحت ایک خاص ترکیب و ترتیب سے ہو رہا ہے۔ سائنس اس جملے سے سیاروں اور ستاروں کا مفہوم اخذ کر سکتی ہے، جب کہ کلام الٰہی نے ایک جامع اصول اور ایک عام قاعدے کی وضاحت کر دی ہے۔

یہ وہ نکات ہیں جو قرآن میں مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے بار بار پیش کیے گئے ہیں۔ یہ چند آیتیں دیکھیے

" جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اس انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں۔ (البقرہ ۱۶۴)

" اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ جب کہ اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔ تاکہ تم کو آزما کر دیکھے تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے" (ہود۔ ۷)

" ہم نے ہر چیز تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے" (القمر ۴۹)

اس آیت کی تشریح مولانا مودودیؒ نے اس طرح کی ہے: " یعنی دنیا کی کوئی چیز بھی الل ٹپ پیدا نہیں کر دی گئی ہے، بلکہ ہر چیز کی ایک تقدیر ہے جس کے مطابق وہ ایک مقرر وقت پر بنتی ہے، ایک خاص شکل اختیار کرتی ہے۔ ایک خاص حد تک نشوونما پاتی ہے، ایک خاص مدت تک باقی رہتی ہے اور ایک خاص وقت پر ختم ہو جاتی ہے"

مزید ———

" اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی انہی کی مانند۔ ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے۔ یہ بات تمہیں اس لیے بتائی جا رہی ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے" (الطلاق ۱۲)

آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودی کہتے ہیں:

" انہی کے مانند" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جتنے آسمان بنائے اتنی زمینیں بھی بنائیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے متعدد آسمان اس نے بنائے ہیں ویسی ہی متعدد زمینیں بھی بنائی ہیں۔ اور " زمین کی قسم سے" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ زمین جس پر انسان رہتے ہیں اپنی موجودات کے لیے فرش اور گہوارہ بنی ہوئی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اور زمینیں بھی بنا رکھی ہیں جو اپنی اپنی آبادیوں کے لیے فرش اور گہوارہ ہیں۔ بالفاظ دیگر آسمان میں یہ جو بے شمار تارے اور سیارے نظر آتے ہیں یہ سب ڈھنڈار پڑے ہوئے نہیں ہیں بلکہ زمین کی طرح ان میں بھی بکثرت ایسے ہیں جن میں دنیائیں آباد ہیں"

قرآن کا نظریۂ حیات

نظریۂ کائنات کی تشریح کے ساتھ ساتھ نظریۂ حیات کی وضاحت بھی ضروری ہے، اس لیے کہ اوّل تو کائنات خود ایک مظہرِ حیات PHENOMENON OF LIFE ہے، دوسرے کائنات بے حیات نہیں ہوسکتی اور کائنات کے اندر حیات کا وجود لازماً ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے زمین و آسمان کے مرکب کے اجزائے ترکیبی کو ایک دوسرے سے جدا کرکے تخلیقِ کائنات کے آغاز کی جو نشاندہی ایک آیت میں کی ہے، جس کا حوالہ دیا جا چکا ہے، اس میں صراحت بھی کردی ہے کہ خدا نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا یعنی کائنات کے وجود میں آنے کے ساتھ ساتھ حیات کا عمل بھی شروع ہوگیا۔ ایک دوسری آیت کے مطابق، جس کا حوالہ بھی دیا جا چکا ہے، زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت عرشِ خداوندی کے کسی نوعیت کے پانی کی سطح پر ہونے سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ حیات کے آثار کائنات کے ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں۔

لہٰذا دیکھنا چاہیئے کہ کائنات میں حیات کے وجود کے متعلق قرآن کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ علمی حلقوں میں ایک مدت سے یہ بحث ہوتی رہی ہے کہ کائنات وحیات کا ارتقاء EVOLUTION ہوا ہے یا ان کی تخلیق CREATION — جب سے ڈارون نے انیسویں صدی میں اصل الانواع ORIGIN OF SPECIES کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا ہے (۱۸۵۹ء) سائنس دانوں کا موقف یہ ہوگیا ہے کہ کائنات وحیات کی تخلیق بیک دفعہ یا جستہ جستہ نہیں ہوئی ہے، بلکہ تمام موجودات کا مسلسل ارتقاء اس طرح ہوا ہے کہ پیہم ایک چیز کے اندر دوسری بہتر چیز نکلتی چلی گئی ہے۔ اگرچہ سائنس کے اس مادی و میکانکی نظریے میں سائنسدانوں نے خود ہی گم شدہ کڑیوں MISSING LINKS کا اقرار کیا ہے اور ان کے لیے سب سے بڑھ کر حل طلب بلکہ ناقابلِ حل سوال تو یہ ہے کہ وہ بنیادی مادہ کب، کہاں اور کیسے وجود میں آیا جس سے حیات و کائنات کا سلسلہ شروع ہوا؟

چونکہ سائنس اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے، لہٰذا اس کے لیے مذہب کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور اس سلسلے میں کرۂ ارض پر مذہبی نقطۂ نظر کا بہترین ترجمان قرآن ہی ہے، جو اسلامی نظریۂ کائنات وحیات کی بنیادی دستاویز ہے — قرآن کا موقف سمجھنے کے لیے سب سے پہلے حسبِ ذیل آیات پر ایک نظر ڈالنی چاہیئے۔

"ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بنایا" (الحجر ۲۶)

اس آیت کا مفہوم مولانا مودودیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں: "یہاں قرآن اس امر کی صاف تصریح کرتا ہے کہ انسان حیوانی منازل سے ترقی کرتا ہوا بشریت کے حدود میں نہیں آیا ہے، جیسا کہ نئے دور کے ڈارونیت سے متاثر مفسرین قرآن ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، بلکہ اس کی تخلیق کی ابتدا براہِ راست ارضی مادوں سے ہوئی ہے جن کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے صلصال من حما مسنون کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ یہ الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ خمیر اٹھی ہوئی مٹی کا ایک پتلا بنایا گیا تھا جو بننے کے بعد خشک ہوا اور پھر اس کے اندر روح پھونکی گئی۔"

مزید ———

"اور اس سے پہلے جنوں کو ہم آگ کی لپیٹ سے پیدا کر چکے تھے" (الحجر ۲۷)

"وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھا دیا اور اس میں تمہارے چلنے کو راستے بنائے، اور اوپر سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے مختلف اقسام کی پیداوار نکالی۔ کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کے لیے" (طٰہٰ ۵۳-۵۴)

"ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر" (المومنون ۱۲ تا ۱۴)

"اور کیا انہوں نے کبھی زمین پر نگاہ ڈالی کہ ہم نے کتنی کثیر مقدار میں ہر طرح کی عمدہ نباتات اس میں پیدا کی ہیں؟ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے، مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں" (الشعراء ۷-۸)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں بھی سفید، سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ اس سے ڈرتے ہیں" (فاطر ۲۷-۲۸)

"اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر وہی ہے جس نے اس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور اس نے تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کیے وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے، یہی اللہ جس کے یہ کام ہیں تمہارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے، پھر تم کدھر سے پھرائے جا رہے ہو؟" (الزمر ۶)

"اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں، شاید کہ تم اس سے سبق لو" (الذاریات ۴۹)

"کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟" (الطور ۳۵)

"ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے اور ہمارا حکم بس ایک ہی حکم ہوتا ہے اور پلک جھپکاتے وہ عمل میں آجاتا ہے" (القمر ۴۹-۵۰)

"اور اس نے طرح طرح سے تمہیں بنایا ہے" (نوح - ۱۴) (مولانا مودودی تشریح کرتے ہیں "تخلیق کے مختلف مدارج اور اطوار سے گزارتا ہوا تمہیں موجودہ حالت پر لایا ہے")

"اور اللہ نے زمین سے تم کو عجیب طرح اگایا" (نوح ۱۷)

اس پر مولانا مودودیؒ کا نوٹ ہے۔

"یہاں زمین کے مادوں سے انسان کی پیدائش کو نباتات کے اگنے سے تشبیہ دی ہے جس طرح کسی وقت اس کرے پر نباتات موجود نہ تھیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کو اگایا۔ اسی طرح ایک وقت تھا جب روئے زمین پر انسان کا کوئی وجود نہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کی پود لگائی۔"

"ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا" (التین ۴)

مذکورہ بالا آیات کے اشارے سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی سراہے پڑی ہوئی خود کار چیز نہیں ہے، یہ باضابطہ پیدا کی گئی ہے اور کوئی اس کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس بات کا خالق نے خود دعویٰ کیا ہے اور تخلیق کی نسبت اپنی طرف کی ہے، اس لیے کہ وہی خدائے کائنات اور مالک حیات ہے۔ اس نے کائنات کے ساتھ ساتھ حیات ایک اندازے اور منصوبے کے مطابق پیدا کی ہے۔ یہ اس کی بنائی ہوئی تقدیر ہے جس کے تحت ہر چیز بقدر ضرورت پوری اہمیت کے ساتھ پیدا کی گئی ہے۔ ہستی کا ایک نظام ہے جو قدرتِ الٰہی کے مرتب کیے ہوئے فطری ضابطوں پر مبنی ہے۔ وجود بے مراد وجود نہیں ہے۔ اس کے کچھ فوائد اور کچھ مقاصد ہیں۔ پھر وجود کی بے شمار شکلیں ہیں جو ایک منطقی ربط کے ساتھ باہم مربوط ہیں۔

خدا کی اس تخلیق میں ایک حکیمانہ ارتقا ہے۔ ساری مخلوقات بیک دفعہ نہیں پیدا کر دی گئیں۔ وہ ایک تدریج و ترتیب کے ساتھ نمودار ہوئی ہیں۔ بنیادی اور اولین مادے کی تشکیل کے بعد جس کی نوعیت خدا کے سوا کسی کو نہیں معلوم، تمام مخلوقات مشیتِ الٰہی کے مطابق یکے بعد دیگرے الگ الگ وجود میں لائی گئیں۔ آسمان اور زمین، ستارے اور سیارے۔ دنیا اپنے تمام آفاقی مظاہر کے ساتھ وجود میں آئی اور اس کی زمین پر پہلے جمادات، پھر نباتات، تب حیوانات اور سب سے آخر میں انسان کی پیدائش ہوئی، جس کی تخلیق کے عناصر ترکیبی میں دوسری مخلوقات کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر انسان کی ساخت اپنی کامل شکل میں دوسری تمام مخلوقات سے نمایاں اور بہترین ہے، اس لیے کہ خدا نے اسے ایک دوسری مخلوق ——— قرآن کے لفظوں میں "خلقاً آخر" بنایا ہے اس سے پہلے کی بات صرف خدا کے علم میں ہے اور بعد کی ترتیبات کے بھی بعض اسرار و رموز غیب ہی میں رکھے گئے ہیں۔ انسان کو صرف اس کی تخلیق اور حیات و کائنات کے چند اہم حقائق بتا کر یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ خدا نے آدمی کو بہترین سانچے "احسن تقویم" میں پیدا کیا ہے یہ اشارہ ہے اس نکتے کی طرف کہ انسان حیات کا عظیم ترین مظہر اور خدا کی بہترین مخلوق ہے جسے کائنات کے حقائق کا علم دے کر جنوں اور فرشتوں تک پر فضیلت دی گئی تاکہ وہ دنیا میں خدا کا نائب بن کر مشیت الٰہی کے منصوبوں کی تکمیل کرے اور ہستی کے اس امتحان میں کامیاب ہو کر بڑے سے بڑا انعام حاصل کر سکے۔ جیسا قرآن کی آیات سے واضح ہوتا ہے جن کا حوالہ آئندہ سطروں میں دیا جا رہا ہے۔

یہ ہے اسلام کا نظریہ حیات جو قرآن سے عیاں ہے۔

مچھروں سے مکمل نجات حاصل کیجئے

ویپ
ماسکیٹو میٹ

ALSO APPROVED IN AMERICA BY U.S. ENVIRONMENTAL PROTECTION AGENCY WASHINGTON D.C.

جاپان کی وزارت صحت سے منظور شدہ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED